انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

ایڈیٹر :- آل احمد سرور

جلد ۱۶ | علی گڈھ - ۸ جولائی ۱۹۵۷ء | شمارہ ۲۶

خطبۂ صدارت اردو کانفرنس

از

کرنل بشیر حسین صاحب زیدی صدرِ انجمن

انجمن ترقی اردو ہند کی اردو کانفرنس منعقدہ ۳-۴ جولائی ۱۹۵۷ء میں پڑھا گیا۔

خواتین و حضرات !

انجمن کی اس کانفرنس میں، میں آپ کا خیر مقدم کرتا ہوں اور شکرگزار ہوں کہ انجمن کی دعوت پر آپ اتنی بڑی تعداد میں، موسم کی خرابی اور سفر کی زحمت کے باوجود تشریف لے آئے۔ آپ کی شرکت سے ہمیں بڑی تقویت ہوئی۔ امید ہے کہ ہم آپ مل کر زبان اور ادب کی بقا اور ترقی کے لئے موثر اور عملی اقدامات کر سکیں گے خلوص کی آزمائش تو ہو گئی اب ذہن کی پختگی اور عمل کی استواری کا سوال ہے۔ مجھے یقین ہے کہ کانفرنس کے فیصلوں میں اس کا بھی ثبوت مل جائے گا۔

آٹھ سال ہو گئے ہیں جب آزادی کے بعد خاصے نازک اور پیچیدہ حالات میں انجمن ترقی اردو کی نئی تنظیم ہوئی تھی۔ اس وقت پورا ملک ایک سیاسی اور تہذیبی بحران میں گرفتار تھا اور اردو بھی اس کا شکار ہو رہی تھی۔ ان حالات میں ڈاکٹر ذاکر حسین کی پرسوز شخصیت کے اثر سے انجمن نے پھر اپنا کام شروع کیا، شاخوں کی نئے سرے سے تنظیم کی مرکز کا نظام درست کیا، ہماری زبان اور اردو ادب کے ذریعے سے زبان اور ادب کی خدمت شروع کی۔ اتر پردیش اور بہار میں علاقائی زبان کی تحریک چلائی صدر جمہوریہ ہند کے سامنے ۲۰ لاکھ بالغوں کے دستخط سے ایک محضر پیش کیا۔ اردو میں سنجیدہ اور مستند ادب کی اشاعت میں مدد کی کام بہت تھے۔ شوق کی بلندی کے باوجود ہمتیں پست تھیں، دوست کچھ بدگمان تھے کچھ بددل، دشمن دلیر ہو رہے تھے۔ حکومت بے نیاز تھی اور اکثریت بے پروا۔ خود اردو والے غم و غصہ کا شکار تھے ان حالات میں جو کچھ کرنا چاہئے تھا وہ نہ ہو سکا، مگر یہ کہنا تو کسی طرح صحیح نہ ہو گا کہ انجمن اپنے فرض سے غافل رہی ناامیدی کے دور میں اس نے امید کا چراغ برابر روشن رکھا، تنگ نظری اور تعصب نے جو حجابات حائل کر رکھے تھے، انھیں چاک کرتی رہی یکجہتی قومیت، جمہوری روایات عوام دوستی تہذیبی میل جول، باہمی رواداری کا پرچار کرتی رہی۔ اس کی آواز کچھ نے سنی، کچھ نے نہ سنی، کچھ نے سن کر ان سنی کر دی۔ وہ اردو کے ہمدردوں اور دوستوں کو ان کا قومی فرض یاد دلاتی رہی اور حکومت اور اکثریت پر اردو کے حقوق واضح کرتی رہی۔

یہ وقت بھی گزر گیا۔ انجمن اب تک اپنی کوئی کانفرنس نہ کر سکی۔ یہ کانفرنس کا مقصد محض ایک مظاہرہ، محض ایک شاندار اجتماع کبھی نہیں تھا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ اردو کے کارکن، اس کے ادیب، صحافی، ناشر یکجا ہو کر اپنی کوششوں کا سنجیدگی سے جائزہ لے سکیں اور آئندہ کاموں کا خاکہ بنا سکیں۔ شاندار مظاہرے اور پرجوش اجتماع بھی ضروری ہیں، مگر جو قوم اپنی ساری قوت مظاہروں اور جلسوں کی نذر کر دے وہ عمل کی دنیا میں حقیر و ناتواں ہی ثابت ہو گی۔ بہرحال اب جا کر ہمیں یہ موقع ملا ہے اور ہمیں امید ہے کہ اس چھوٹے سے اجتماع کے ذریعے سے ہم اردو دنیا کی خدمت کے لئے موثر تدابیر اختیار کر سکیں گے اور ہمارا یہ سوچ بچار محض ہوائی تخیل ہو کر نہ رہ جائے گا بلکہ ہمارے عمل کے لئے ذہنی غذا کا کام دے گا۔ ہم اس طرح تازہ دم ہو کر آگے بڑھ سکیں گے۔

میں اس وقت اردو زبان کی تاریخ، اس کے سرمائے، اس کی ہندوستانیت، اس کے مزاج، ساخت اور ارتقا کے متعلق کچھ زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ ہماری زبان، ایک جدید ہندوستانی

زبان ہے۔ اس کی جڑیں اس ملک کی سرزمین، اس کی تاریخ اور تہذیب میں پیوست ہیں۔ یہ نہ کوئی ذیلی زبان ہے نہ کسی زبان کی محض ایک شیلی (اسلوب) یہ صرف مسلمانوں کی زبان بھی نہیں ہے اور اگر مسلمان آج اس کی حفاظت کے لئے تیار ہیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ دوسرے فرقوں سے زیادہ ان کی نظر ہندوستان کی پوری تاریخ اور اس کی مشترک تہذیب پر ہے۔ لیکن مجھے تو صاف نظر آتا ہے کہ اردو کی حفاظت کے لئے معقول ہندوؤں اور سکھوں میں مسلمانوں سے کم جوش اور جذبہ نہیں ہے یہ زبان ہندوستان کے کسی حصے کی پابند نہیں۔ سارے ملک میں پھیلی ہوئی ہے۔ دربار نے اس کی آرائش و زیبائش میں ضرور کچھ حصہ لیا۔ مگر اس کی بنیاد عوام کے ہاتھوں پڑی، بازار میں اس کا سکہ چلا، خانقاہ کے ذکر و فکر کا یہ وسیلہ بنی، اہل نظر اور صاحب بصیرت اشخاص نے زندگی کے متعلق اپنے تجربے اس زبان میں محفوظ کر دیئے انھوں نے اس کی شاعری اور نثر میں خوابوں کے ایسے نگار خانے سجائے جن سے حقائق کا حسن کچھ اور بڑھ گیا۔ دفتروں اور عدالتوں میں یہ کام آئی۔ تعلیمی اداروں اور تہذیبی انجمنوں میں اس کی شمع سے اجالا ہوا۔ یہ ہماری صدیوں کی چمن بندی کا ثمرہ، ہماری کتنی ہی نسلوں کی ریاضت کا پھل ہے۔ اس میں علم کی تابانی عشق کی جولانی، آزادی کے خواب، جد و جہد کی حرارت، معاشرت کا عکس، ریاست کا عطر، سب کچھ موجود ہے۔ پھر بھی اس جمہوری ریاست میں، جس کی بنیاد رکھنے میں گاندھی جی نے اپنی جان کی بازی لگا دی اور جسے نہرو آج اپنے خونِ جگر سے سینچ رہے ہیں یہ بے پروائی اور بے انصافی کا شکار ہو رہی ہے۔ اس کے حسین چہرے پر خاک ڈالنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس میں تعلیم دینا گوارا نہیں ہے۔ اس کے چلن پر پابندیاں ہیں۔ اس کے ساتھ غیروں کا سا سلوک کیا جاتا ہے۔ یہ اپنے گھر میں بے گھر ہے اور کچھ لوگ اس پر تلے ہوئے ہیں کہ اسے شاکر ہی دم لیں گے۔

ان حالات میں کچھ اردو دوستوں پر جو افسردگی طاری ہے وہ اگرچہ فطری ہے مگر ہے ناسمجھی کی بات۔ جو لوگ ہندوستان میں اردو کا مستقبل تاریک سمجھتے ہیں وہ نہ ہندوستان کی روح کو پہچانتے ہیں نہ اردو کے حسن اور توانائی کو میری محدود بصیرت کے مطابق جوں جوں ہندوستان میں قومیت، جمہوریت اور لامذہبی ریاست کا تصور زیادہ عام ہوتا جائے گا توں توں اردو کی مخالفت کم ہوتی جائے گی۔ جن لوگوں کو ہندوستان پر اعتماد نہیں ہے ان سے مجھے کچھ کہنا بھی نہیں ہے۔ جو لوگ جمہوریت کو ایک ڈھونگ سمجھتے ہیں یا قومیت کو ایک سراب یا جن کے نزدیک ایک غیر مذہبی ریاست کا تصور ایک دھوکے کی ٹٹی ہے، یا جو ذہن

کی تقدیر پر اپنی زندگی کے نشیب و فراز سے حکم لگاتے ہیں یا جنھیں ہمارے قافلہ تو بہار میں شعلوں کی لپٹ ہی محسوس ہوتی ہے وہ ان بدنصیبوں کی طرح ہیں جو آنکھوں پر پٹی باندھ کر سورج کی حیات بخش اور حیات پرور روشنی کے منکر ہوتے ہیں۔ جمہوریت کا تصور ناقص نہیں ہے نیا ہے۔ قومیت کا احساس ابھی عام نہیں ہے غیر مذہبی ریاست کے الفاظ لوگوں نے رٹ لئے ہیں اس کے معنی و مفہوم پر انھوں نے غور نہیں کیا۔ جب ہم غلام تھے تو ہمارے اوپر کچھ خارجی پابندیاں عاید تھیں۔ جب آزاد ہوئے تو ہماری حالت اس مریض کی سی تھی جو بستر سے اٹھتے ہی بدپرہیزی کرنے لگتا ہے اور یہ نہیں سوچ پاتا کہ احتیاط اور اعتدال کیوں ضروری ہے آزادی ہمیں مل گئی تھی۔ مگر ہماری نفسیات غلامانہ ذہنیت کی غماز تھیں۔ ہم میں ایک انتقامی جذبہ تھا۔ ہم میں اقتدار کا نشہ تھا۔ طاقت کا غرور تھا۔ ہم ماضی قریب سے بالکل قطع تعلق کر رہے تھے یہ کیفیت اب کم ہو رہی ہے۔ اب لوگ سوچ رہے ہیں کہ کدھر جائیں، کون سی سمت اختیار کریں۔ آگے بڑھنے کے لئے حوصلے اور جرات کی ضرورت ہے۔ پیچھے کی دنیا کچھ جانی پہچانی ہے۔ اس لئے ابھی ہم مڑ مڑ کر پیچھے کی طرف دیکھتے ہیں۔ ماضی کی پرچھائیوں کو پکڑنا چاہتے ہیں۔ تاریخ کے دھندلکے میں نظریں گاڑے ہوئے ہیں اور خوش فہمی ان پرچھائیوں کو حسین پیکر دے دیتی ہے مگر ارتقاء کا فرمان یہ ہے کہ ہمیں آگے بڑھنا ہے۔ خالی خولی نہیں بے سادہ و سامان کے نہیں، ماضی کے عرفان کے ساتھ تاریخ کے شعور کو لئے ہوئے روایات کو جانتے پہچانتے ہوئے ان میں سے صالح عناصر کو جذب کئے ہوئے آگے بڑھنا ہے پہلی منزل میں اردو غریب پر بہت ظلم ہوا اب اس ظلم کا احساس بھی ہو رہا ہے۔ ہاں خالی خولی احساس ہے مگر وہ دن دور نہیں جب سماج کا قدم بہ حیثیت مجموعی آگے کی طرف بڑھے گا اور اس وقت اردو کی پھر ضرورت پڑے گی۔ اس وقت اس کے ساتھ انصاف بھی ہوگا۔

(باقی ص ۱۴)

اردو کانفرنس

انجمن ترقی اردو ہند کی اردو کانفرنس ۳-۴-جولائی ۵۵ء کو زیر صدارت سید بشیر حسین صاحب زیدی صدر انجمن یونین ہال علی گڑھ میں منعقد ہوئی۔ کانفرنس کی پوری روداد کتابی شکل میں ترتیب دی جارہی ہے۔ بہت جلد شائع ہوجائے گی۔ فی الحال ہماری زبان کی چند اشاعتوں میں اس کی کارروائی شائع کی جاتی رہے گی۔

اس کانفرنس میں کشمیر سے لے کر جنوبی ہند تک اور بمبئی سے لے کر کلکتے تک کے اکثر مدعو حضرات شریک ہوئے تھے۔ شریک ہونے والے نمائندوں کی تعداد سو کے لگ بھگ تھی۔ کانفرنس ہر اعتبار سے کامیاب رہی۔ دو روز کی پیہم مصروفیت کے بعد سب لوگ ایک نئے جوش اور جذبۂ عمل کے ساتھ اپنے اپنے مقامات پر لوٹے۔

جو حضرات تشریف لائے تھے ان میں سے خاص خاص یہ ہیں -

۱- جناب عبدالمجید خواجہ صاحب (نائب صدر انجمن) ۲- مولانا حفظ الرحمن ۳- مسعود حسن رضوی ۴- پروفیسر عبدالقادر سروری ۵- مخدوم محی الدین ۶- احتشام حسین ۷- حیات اللہ انصاری ۸- شہاب الدین دسنوی ۹- روش صدیقی ۱۰- پروفیسر رشید احمد صدیقی ۱۱- اختر اورینوی ۱۲- مولانا سعید احمد اکبرآبادی ۱۳- ڈاکٹر عبدالعلیم ۱۴- افضل الرحمن حیدرآباد۔ ۱۵- ظ- انصاری ۱۶- شاہ معین الدین ندوی ۱۷- پنڈت آنند نرائن ملا ۱۸- ڈاکٹر عابد حسین ۱۹- ڈاکٹر مسعود حسین خاں۔ ۲۰- مولانا ضیاء احمد۔

ہر روز پروگرام کے مطابق تین تین جلسے ہوئے حاضرین نے تمام اہم مسائل میں بڑی گرم جوشی اور دلچسپی کا اظہار کیا علاقائی زبان کی تجویز سے لے کر تنظیم، ناشرین، صحافی، شاخوں کی رپورٹ، لغت اور رسم خط کے مسائل تک میں حاضرین نے بڑی توجہ اور انہماک سے ساری کارروائی سنی اور چونکہ یہ ایک کاروباری کانفرنس تھی اس لئے تقریباً ہر شخص نے کسی نہ کسی صورت میں اظہار خیال کیا۔ کانفرنس کے دوسرے اور اس کے بعد تیسرے دن تک جنرل سکریٹری اور اسسٹنٹ سکریٹری نے ہر صوبے اور شاخ کے کارکنوں اور دیگر حضرات سے انفرادی اور اجتماعی طور پر بات چیت کی جس سے امید ہے کہ آئندہ کام کرنے میں بڑی مدد ملے گی۔

اردو کے بہی خواہوں کو یہ سنکر خوشی ہوگی کہ نمائندوں نے یوپی کے اس سخت موسم میں جس جوش و خروش کے ساتھ تکلیفیں اٹھاکر حصہ لیا وہ ایسی فال نیک ہے جس سے اس زبان کے مستقبل کے درخشاں ہونے کی بجا طور پر توقع کی جاسکتی ہے۔

مشاعرہ کی صدارت شروع سے آخر تک جسٹس آنند نرائن ملا نے کی اور کانفرنس کے بیچ میں دو مرتبہ پروفیسر عبدالقادر سروری اور پروفیسر مسعود حسن صاحب نے بھی مستقل صدر صاحب کی عدم موجودگی میں کچھ کچھ وقفے کے لئے صدارت فرمائی۔

مشاعرے کی روداد اور انجمن کے جنرل سکریٹری کی رپورٹ آئندہ اشاعتوں میں دی جاسکے گی۔

کانفرنس کا افتتاح پروفیسر محمد مجیب شیخ الجامعہ دہلی نے اپنی پرمغز تقریر سے فرمایا۔ انھوں نے اپنی تقریر میں ارشاد کیا کہ میرے نزدیک اردو کا سب سے بڑا حق آدمیت کے تصور کو قائم رکھنا ہے۔ اردو کا منصب بلکہ اردو کا دوسرا نام آدمیت کی تڑپ ہے اس میں اسلام کا فلسفہ، ایران کی لطافت ہندوستان کا مزاج، ترقی پسندی کے زمزمے سبھی کچھ ہیں۔ جناب محمد مجیب صاحب کی افتتاحی تقریر کا پورا متن اگلی اشاعتوں میں آئے گا۔

صدر جلسہ نے اپنے خطبہ میں فرمایا کہ اردو ہندوستان کی قومی زبان ہے اس کی مخالفت کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ابھی تک ملک میں جمہوریت، قومیت اور غیر مذہبی ریاست کے اعلیٰ تصورات عام نہیں ہیں۔ خطبہ صدارت کی پہلی قسط اسی اشاعت میں شائع ہورہی ہے۔ جنرل سکریٹری انجمن پروفیسر آل احمد سرور نے اپنی رپورٹ میں بتایا کہ انجمن کی آمدنی پچھلے سال کے مقابلے میں بڑھ گئی ہے اور کچھ بچت بھی ہوئی ہے اس سال ۸۰ ہزار کی آمدنی کی توقع ہے بہت سی قابل قدر تصانیف کا اضافہ ہوا ہے اور آئندہ علمی و فنی اور کتابوں کے ساتھ معلوماتی ادب کا ایک سہ سالہ پروگرام بھی بنایا گیا ہے۔ انجمن کی ۶۰ سے زیادہ شاخیں ملک میں قائم ہیں اور نئی قائم ہوتی جاتی ہیں۔

اس جلسے میں جہاں اور حضرات کسی نہ کسی وجہ سے تشریف نہ لا سکے تھے۔ جناب پری پورنا نند ورما صاحب بھی شریک نہ ہوسکے (موصوف وزیر اعظم یوپی کے بھائی اور انجمن ترقی اردو ہند کانپور کے صدر ہیں) انھوں نے اپنے پرخلوص خط کے ساتھ کانفرنس کی مد میں ایک عطیہ بھی

چک ارسال فرمایا ہے اگرچہ انجمن نے کانفرنس کے سلسلے میں کسی سے کوئی چندہ نہیں مانگا تھا مگر یہ اس نوازش بے طلب کو بہت شکریے کے ساتھ قبول کیا گیا ہے۔ آئندہ اشاعت میں موصوف کا خط بھی شائع کر دیا جائے گا۔

کانفرنس میں جو تجویزیں منظور ہوئی ہیں وہ سب اسی اشاعت میں دی جا رہی ہیں۔ ان تجویزوں میں اردو کو یوپی۔ بہار اور دہلی میں علاقائی یا سرکاری زبان اور پنجاب، اندھرا، مدھیہ پردیش، بمبئی، میسور میں اردو کی تعلیم اور اس کے چلن میں سہولتوں کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں صدر جمہوریہ کے پاس نمائندہ وفد دوبارہ بھیجنا طے ہوا، اور یہ بھی طے ہوا کہ اگست میں یوم اردو منایا جائے اور دسمبر میں ایک بڑی کانفرنس دلی میں کی جائے۔ آل انڈیا ریڈیو سے متعلق بھی ایک تجویز منظور ہوئی ہے۔ اس کے علاوہ شاخوں کی تنظیم کے متعلق بھی تجاویز پاس ہوئیں۔

آندھرا پردیش میں اردو

جناب حبیب الرحمن صاحب معتمد انجمن ترقی اردو حیدرآباد نے علی گڑھ کلب میں ایک مباحثہ میں پر مغز تقریر کی۔ مباحثہ کا عنوان تھا۔ آندھرا پردیش میں اردو کی موجودہ حیثیت کا جائزہ اور آئندہ اقدامات کے لئے تجاویز جناب حبیب الرحمن صاحب نے بتایا کہ آندھرا پردیش کی آبادی کم از کم گیارہ بارہ فی صد تعداد کی مادری زبان اردو ہے جو ۴۰ لاکھ سے زیادہ ہے۔ اتنی بڑی تعداد کے بعد اردو کو اقلیتی زبان کہہ کر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا اردو بولنے والوں کی تعداد پورے کشمیر کی آبادی کے برابر ہے۔

انھوں نے اس بات پر زور دیا کہ اردو بولنے والوں کی تنظیم کو جس قدر بھی ممکن ہو سکے مضبوط اور طاقتور بنایا جائے اردو کی بقا اور ترویج کے لئے ہمیں پہلے اپنا فرض ادا کرنا چاہیے اور دیکھنا یہ چاہیے کہ کہیں ہم خود اردو کے ساتھ ناانصافی تو نہیں کر رہے ہیں ایسی صورت میں دوسروں سے انصاف کی کیونکر توقع کی جا سکتی ہے۔

موصوف نے اس بات پر زور دیا کہ اردو رسالے اور اخبارات خریدے جائیں اردو کے لئے کام کرنے والوں کی ہر ممکن طریقہ پر ہمت افزائی کی جائے اور بچوں کو اردو میں تعلیم دی جائے۔

صلیب و دار سجاؤ کہ جشن کا دن ہے

جنوں کی یاد مناؤ کہ جشن کا دن ہے
صلیب و دار سجاؤ کہ جشن کا دن ہے

طرب کی بزم ہے بدلو دلوں کے پیراہن
جگر کے چاک سلاؤ کہ جشن کا دن ہے

تنک مزاج ہے ساقی نہ رنگ مے دیکھو
بھرے جو شیشہ چڑھاؤ کہ جشن کا دن ہے

تمیز رہبر و رہزن کرو نہ آج کے دن
ہر اک سے ہاتھ ملاؤ کہ جشن کا دن ہے

بہت عزیز ہو، لیکن شکستہ دل یارو
تم آج یاد نہ آؤ کہ جشن کا دن ہے

وہ شورش غم دل جس کی لے نہیں کوئی
غزل کی دھن میں سناؤ کہ جشن کا دن ہے

فیض احمد فیض

جناب ہارون خان شیروانی نے اپنی تقریر میں کہا کہ اردو زبان کو آندھرا پردیش میں جو کچھ بھی حیثیت حاصل ہو پانچ برس کے لئے ہے اس کے بعد موجودہ حیثیت باقی نہیں رہے گی۔ حکومت پر یہ واضح کر دینا چاہیے کہ اگر اردو بولنے والوں کو حاصل موجودہ تھوڑی بہت مراعات بھی آئندہ ان سے چھین لی گئیں تو وہ چین سے نہیں بیٹھیں گے۔ *

* جناب ہارون خاں صاحب شیروانی نے بتایا کہ پڑھے لکھے اور خوش حال طبقے میں بھی آج یہ رجحان پایا جاتا ہے کہ اپنے بچوں کو انگریزی زبان میں تعلیم دی جائے اگر ایسا ہوا تو اندیشہ ہے کہ اردو بولنے والے تو باقی رہیں گے لیکن لکھنے پڑھنے والوں کی تعداد بہت ہی گھٹ جائے گی۔

اسٹڈی سرکل کے اس مباحثے کی صدارت نواب ناظر یار جنگ نے کی۔ اور آخر میں جناب صدر نے اسی موضوع پر اپنے بیش بہا خیالات کا اظہار فرمایا۔

حاضرین نے بھی مباحثہ بڑی دلچسپی اور شوق و ذوق کے ساتھ سنا

بسلسلۂ گزشتہ

لغت اور استعمال عام

رشید حسن خاں

اسی طرح بہت سے الفاظ ایسے ہیں جن میں الف کے علاوہ بعض دوسرے حروف بھی آتے ہیں، جو تلفظ سے خارج رہتے ہیں مثلاً ذوالفقار، حتی الوسع، حتی المقدور، فی البدیہہ، ابوالحسن، بوالحسن کہ ان میں دو دو حروف زائد ہیں اور یہ عربی املا کی تقلید میں سو حروف زوائد مستعمل ہیں۔ اگر اب یہ لفظ اردو کے ہیں تو پھر ان کو اردو تلفظ و ضوابط املا کے مطابق ذلفقار، حتل مقدور، فل بدیہہ، ابل حسن لکھا جائے تو صحیح و مناسب ہوگا اور ایسے الفاظ میں بعض اوقات جو املے کی غلطیاں ہو جاتی ہیں وہ بھی نہیں ہوں گی اس سلسلہ میں ایک دلچسپ بات یاد آگئی۔ مرزا جعفر علی خاں اثر کا خیال ہے کہ ہوس فارسی لفظ ہے۔ لہٰذا اس میں بہ قاعدہ عربی ترکیب جائز نہیں ہو سکتی۔ اس لئے انھوں نے ہر جگہ اس لفظ کو بل ہوس لکھا ہے۔ ان کا دیوان "بہاراں" دیکھئے۔ ہر جگہ اس لفظ کا یہی املا نظر آئے گا۔ پھر جب بوالہوس بل ہوس لکھا جا سکتا ہے اور اس میں کوئی قباحت، غرابت، غلطی اور بے ادبی محسوس نہیں ہوتی تو عبدالکریم اگر عبدل کریم بن جائے اور ذوالفقار ذلفقار رہ جائے تو کون سی کل لغزیات ہو گی۔ اگر ان اصلاحات کو درست مان کر رائج کر دیا جائے تو چند دن کے بعد کسی کو اجنبیت کا احساس نہیں ہوگا اور خواہ مخواہ کے زائد حروف ختم ہو جائیں گے۔

اسی سلسلہ میں ایک اور بات ذہن میں آئی۔ علی گڑھ اور اعظم گڑھ کو پہلے دال ہندی (ڈ) سے لکھا جاتا تھا اور تلفظ میں رائے ہندی آتی تھی۔ رفتہ رفتہ دال ہندی کے بجائے رائے ہندی رائج ہو گئی اور اب کسی امتیاز کے بغیر سب علی گڑھ لکھتے ہیں۔

۲۔ عربی میں ایک قاعدہ ہے کہ جب نون ساکن کے بعد میم آتا ہے تو وہ نون میم کی آواز دیتا ہے۔ جیسے عربی میں لکھیں گے منبر، پڑھیں گے ممبر۔ فارسی میں بھی یہ قاعدہ رائج ہو گیا۔ وہاں گنبد جنبش وغیرہ جن میں میم کی آواز موجود ہے نون سے لکھے جاتے ہیں۔ عربی و فارسی کی تقلید میں اردو میں بھی یہی طریقہ رائج ہو گیا۔ لکھتے ہیں اچنبھا، پڑھتے ہیں اچمبھا۔ حالانکہ اردو میں اس کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی کہ عربی کے ایک قاعدے کی بنا پر لکھیں نون اور پڑھیں میم لہٰذا اردو میں ایسے سارے الفاظ کو صرف میم سے لکھنا چاہئے۔ ایسے چند الفاظ دیکھئے۔ اچمبھا۔ گمبد۔ جمبش۔ ممبر۔ مجمع، چمپا، چمپا کلی وغیرہ۔ شروع میں تھوڑی سی الجھن ضرور معلوم ہوگی لیکن چند ہی بار لکھنے کے بعد اجنبیت ختم ہو جائے گی اور زبان و قلم میں یکسانیت پیدا ہو جائے گی۔

۳۔ ہندی میں بہت سے ایسے الفاظ ہیں جن میں دو ہائے مخلوط التلفظ آتی ہیں جیسے جھنجھا، جھانجھ۔ تلفظ اور املا کی آسانی کے لحاظ سے اگر ایسے الفاظ سے ہائے مخلوط ثانی ختم کر دی جائے تو بہتر ہے۔ اس حذف سے تلفظ میں بھی ایک قسم کی روانی اور ہلکا پن پیدا ہو جائیگا اور خواہ مخواہ ایک نا درست کا اضافہ ختم ہو جائے گا۔ ایسے الفاظ کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو وہ جو مرکب ہیں۔ جیسے چھما چھم، دوسرے جو مفرد ہیں۔ جیسے جھنجھوٹ۔ اول الذکر مرکب الفاظ اس دائرے سے خارج ہیں کیونکہ دراصل ایسے الفاظ میں دو ہا کا وجود نہیں ہے بلکہ ہر لفظ میں ایک ہا ہے۔ اس لئے اس قاعدے کا اطلاق ان پر نہیں ہو سکتا۔ مثلاً چھما چھم کو اگر چھما چم لکھیں تو بہت ہی بے تکی سی بات ہوگی۔ یا کھڑ کھڑانا، کھچا کھچ، دھما دھم، بھاگم بھاگ، چھین جھپٹ وغیرہ کہ یہ سب مرکبات ہیں۔ اس لئے ان میں سے اگر ایک ہا کو خارج کیا جائے تو صوتی اعتبار سے ناگوار ہوگا۔

البتہ وہ لفظ جو مفرد ہیں اور ان میں دو ہا آتی ہیں۔ ان سے ضرور ایک ہا کو خارج کر دینا چاہئے۔ ایسے کچھ الفاظ دیکھئے ... جھنجھوڑنا، جھنجھوڑنا، گھنگھور، جھنجھنا، جھنجھناہٹ۔ الجھی۔ بھوبھل، بھکاری، ٹھیٹھی، ٹھٹھکنا، ٹھٹھا، ٹھٹھرنا، ٹھٹھول، جھنجھٹ، گھنگھور، گھونگھٹ ... اگر ان الفاظ کو بغیر ہائے ثانی لکھا جائے تو اصل لفظ کے مفہوم پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہے اور ثقالت کم ہو جاتی ہے۔

۴۔ کچھ الفاظ ایسے ہیں جن میں یائے مخلوط التلفظ ہے۔ ابتدا میں یہ الفاظ بہ اظہار یا اور بہ اخفائے یا دونوں طرح استعمال ہوتے تھے اب ان کو بہ اظہار یا صحیح نہیں سمجھا جاتا۔ لیکن عام گفتگو میں یہ دونوں طرح استعمال ہوتے ہیں۔ لہٰذا ایسے الفاظ کو بہر دو صورت صحیح سمجھنا چاہئے مثلاً پیاس، پیار، دھیان، بیاہ۔ کہا جاتا ہے کہ یہ الفاظ بہ اظہار یا فصیح نہیں معلوم ہوتے۔ حالانکہ متقدمین کے یہاں جہاں بھی یہ لفظ بہ اظہار یا آئے ہیں نہایت برمحل نظر آتے ہیں مثلاً

کیا کہوں دل کی میں پریشانی

ہیں کہیں، دل کہیں، دھیان کہیں (میر اثر)

قوم کے ہاتھ سے ہوتے ہیں بیاہ سے مقتول (غالباً انیس)

پیارے کو جو اپنے ہو پیارا کیونکہ ستم اس پہ ہو گوارا (نسیم)

مذکورۂ بالا مثالوں میں کہیں بھی اظہار یا مخل فصاحت نہیں ہے۔ یہی حال پھوار کا ہے۔ کہ اصلاً واؤ ہمزہ زدہ مخلوط ہے لیکن بہ اظہار واؤ بھی مستعمل ہے۔ جوش کا مصرعہ ہے۔ "جیسے ذرا سی پھوار میں گلشن" ... اسی طرح لفظ پیالہ ہے کہ بہ یائے مخلوط دعوت فقرا کے معنی میں مستعمل تھا اور ظرف کے معنی میں بہ اظہار یا ... اب وہ دعوت والے معنی تو ختم ہو گئے ہیں البتہ ظرف کے معنی میں بہ اظہار و بہ اخفا دونوں طرح آتے ہیں۔ لہٰذا یہ بھی دونوں طرح صحیح ہونا چاہئے۔

مُراسلات

لندن سے اردو کا پہلا ماہنامہ

۲۲ جون کے ہماری زبان میں جناب ضیا زبیری مشرف جنگ کا ایک مراسلہ شائع ہوا ہے جس میں موصوف نے رہبری فرمائی ہے کہ لندن سے اردو کا پہلا ماہنامہ" دراصل سرراجہ رامپال سنگھ تعلقدار کری سدھولی (ضلع رائے بریلی) نے نکالا تھا نہ کہ راجہ رامپال سنگھ تعلقدار کالا کانکر (ضلع پرتاب گڑھ) نے ——! زبیری صاحب نے تحریر فرمایا ہے کہ نام کی یکسانیت کی وجہ سے اس مضمون کے مصنف کو غلط فہمی ہوگئی" میں زبیری صاحب کی اس توجہ دہانی کا ممنون ہوں۔ لیکن موصوف اس مضمون کو دوبارہ ملاحظہ فرمائیں تو معلوم ہو جائے گا کہ اس غلط فہمی کی بنیاد ہندوستانی صحافت کی پہلی تاریخ اختر شہنشاہی ہے جسے اختر الدولہ حاجی سید محمد اشرف صاحب نقوی نے جون ۱۸۸۸ء میں شائع کیا تھا۔ اختر الدولہ مشہور فرانسیسی مستشرق ڈاکٹر گارساں دتاسی کے ہمعصر تھے۔ انھوں نے اختر شہنشاہی کے صفحہ ۲۸۹ پر ماہنامہ ہندوستان کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے

"ہندوستان" شہر لندن ۴۴۔ میئر پارک روڈ۔ہارلسڈن

اڈیٹر و مہتمم جیپس صاحب۔ ماہوار۔ ۸ ورق۔ سالانہ ۳/۸ روپے مالک راجہ رامپال سنگھ بہادر آنریری مجسٹریٹ و تعلقدار کالاکانکر ضلع پرتاب گڑھ"

میں خود یو۔پی کا رہنے والا ہوں۔ سرراجہ رامپال سنگھ تعلقدار کری سدھولی کو میں نے دیکھا ہے اور راجہ رامپال سنگھ تعلقدار کالاکانکر سے بھی واقف ہوں۔ اس کے علاوہ راجہ رامپال سنگھ" نام کے ان دوسرے تعلقداروں سے بھی واقف ہوں جو اسی دور میں گزرے ہیں۔ جیسا کہ میں نے اپنے مضمون میں لکھا ہے۔ ماہنامہ "ہندوستان" کا کوئی پرچہ میری نظر سے نہیں گزرا اس لئے ذاتی طور پر میں اس استدلال کا مجرم نہیں ہوں جس کی طرف زبیری صاحب نے اشارہ کیا ہے۔ اگر یہ غلطی ہے تو اس کی بنیادی ذمہ داری "اختر الدولہ" پر عائد ہوتی ہے۔ اختر شہنشاہی اب کمیاب ہے لیکن اس کا ایک نسخہ قاضی عبدالغفار صاحب مرحوم کی لائبریری میں بھی تھا اور بھوپال کی سنٹرل لائبریری میں بھی موجود ہے ملاحظہ فرمایا جا سکتا ہے۔ پھر بھی نام کی یکسانیت کا یہ معمولی فرق ایسا نہیں ہے جسے ایک موضوع بحث بنایا جائے۔ چاہے کالاکانکر کے رامپال سنگھ ہوں یا کری سدھولی کے بہرحال جس نے یہ نیک کام کیا تھا معاصر کا محسن تھا اور ہم الہ آباد تک اس کے ممنون احسان رہیں گے۔

(نادم سیتاپوری۔ بھوپال)

حسرت موہانی

سردار موہن سنگھ صاحب دیوانہ جن کا مضمون عنوان بالا سے آپ نے دو اشاعتوں میں شائع فرمایا ہے۔ حسرت موہانی مرحوم کے شاگرد ہیں مگر اپنے استاد کی تحقیر پسند کرتے ہیں اور تعریف ناپسند۔ اسی "ہماری زبان" میں جب حسرت موہانی کو دوسرے درجے کا شاعر کہا گیا تو بمصداق الخاموشی نیم رضا خوش ہوئے اور جب میں نے انھیں ایک بلند پایہ شاعر کہا تو وہ آپے سے باہر ہوگئے۔ اور پھر معلوم ہوتا ہے کہ میرا مضمون انھوں نے ادھر پڑھا اُدھر جواب لکھ ڈالا ایسے مضمون کا جواب خاموشی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔ البتہ شاید ناظرین میں سے کسی کو جس نے میرا مضمون نہ پڑھا ہو کچھ غلط فہمی ہو جائے اس لئے اتنا عرض کرنا چاہتا ہوں کہ حسرت کو میں نے بہت قریب سے دیکھا ہے اور ان کی تحقیر کا شائبہ بھی نہ میرے خیال میں ہے اور نہ میرے مضمون کے کسی لفظ میں۔

نیازمند

رحم علی الہاشمی

مولانا سبحانی کا انتقال

ملک کے مشہور فلسفی عالم مولانا آزاد سبحانی کا جون کے آخری ہفتہ میں انتقال ہوگیا۔ مولانا مرحوم ملک کے دیرینہ قومی رہنماؤں میں سے تھے۔ انھوں نے کانپور کے مدرسہ الہیات میں عرصے تک دینی تعلیم کا کام کیا تھا اور خلافت کے زمانے میں ملک کے بہت اہم رہنما سمجھے جاتے تھے۔

مجید لاہوری کا انتقال

اردو کے مشہور مزاح نگار اور اڈیٹر نمکدان (پاکستان) مجید لاہوری کا انتقال ہوگیا۔

موصوف پچھلے دنوں دلّی کے ہند پاک مشاعرے میں شرکت کے لئے تشریف لائے تھے۔ اچھی خاصی صحت تھی۔ اس وجہ سے جس نے بھی یہ خبر سنی اسے افسوس ہوا۔

راجہ نرسنگ راج عالی کا انتقال

راجہ نرسنگ راج عالی حیدرآباد کے ایک ممتاز شاعر اور پرانی تہذیب اور وضعداری کے پتلے تھے اردو اور فارسی کے اچھے شاعر تھے۔ عالی تخلص فرماتے تھے۔ ۲۲ جون کو ۷۰ سال کی عمر میں موصوف کا انتقال ہوگیا۔ اب ایسے بزرگوں سے جو جگہ خالی ہوتی ہے اس کے پُر ہونے کی کوئی توقع نہیں۔ اب نہ وہ سانچے رہے نہ وہ مٹی۔

علی گڑھ ہسٹری آف اُردو لٹریچر

جلد چہارم ۱۸۵۷ء تا ۱۹۱۴ء

		صفحات
باب اول: سیاسی و تمدنی پس منظر	ڈاکٹر محمد اشرف	۲۵
باب دوم: سرسید اور تحریک علی گڑھ	پروفیسر رشید احمد صدیقی علی گڑھ	۵۰
باب سوم: جدید شاعری		
(الف) حالی	ڈاکٹر معین احسن جذبی علی گڑھ	۲۵
(ب) اسمٰعیل، آزاد، اکبر، شوق، چکبست، وحید الدین سلیم، شبلی وغیرہ	پروفیسر آل احمد سرور، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ	۸۰
باب چہارم: رنگ قدیم		
(الف) داغ	تمکین کاظمی صاحب حیدر آباد دکن	۱۵
(ب) امیر، جلال، تسلیم وغیرہ	نیاز فتحپوری صاحب لکھنؤ	۵۰
(ج) مرثیہ	پروفیسر مسعود حسن رضوی لکھنؤ	۲۵
باب پنجم: نثر اردو		
(الف) صحافت	عتیق صاحب دہلی	۳۰
(ب) مضمون نگاری، شبلی، بشیر، آزاد	ڈاکٹر خورشید الاسلام، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ	۷۵
(ج) ناول نگاری		
۱۔ نذیر احمد۔ سرشار	ڈاکٹر محمد حسن علی گڑھ	۵۰
۲۔ شرر، طیب، رسوا، راشد الخیری	سید علی عباس حسینی صاحب لکھنؤ	۵۰
(د) سوانح، حالی، شبلی، آزاد، وغیرہ	ڈاکٹر سید اعجاز حسین، الہ آباد۔ یونیورسٹی	۵۰
(ی) تنقید، حالی، شبلی، امداد امام اثر، وحید الدین سلیم	مجنوں گورکھپوری صاحب گورکھپور	۵۰
(ت) داستانیں	ڈاکٹر گیان چند۔ بھوپال	۲۵
باب ششم: مذہبی تحریریں سرسید سے شبلی تک	ڈاکٹر محمد عزیز، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ	۵۰
باب ہفتم: اردو ڈراما	ڈاکٹر عبد العلیم نامی۔ بمبئی	۴۰
باب ہشتم: تاریخی و علمی سرمایہ کا جائزہ	شاہ معین الدین احمد ندوی اعظم گڑھ	۳۰
اشاریہ و کتابیات		۲۵

اردو صرف و نحو (جدید ایڈیشن) عبدالحق قیمت ۱/۸ روپے

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

۱۹۵۸ء — ۱۹۵۹ء کے سیشن میں داخلے کی اطلاع

آرٹس اور سائنس کی فیکلٹی

داخلے ۱۴ جولائی سے شروع ہو کر ۲۰ جولائی ۱۹۵۸ء کو ختم ہوں گے۔ اس کے بعد داخلے صرف غیر معمولی صورت حال میں ہو سکتے ہیں۔ یونیورسٹی میں سائنس، آرٹس اور کامرس میں پری یونیورسٹی امتحانات اور بی اے، بی ایس سی، بی کام، ایل ایل بی، ایم اے، ایم ایس سی، ایم کام، پی ایچ ڈی کی ڈگری، امور خارجہ کا ڈپلوما اور جرمن، فرانسیسی، عربی، فارسی اور روسی زبان کے پرافیشنسی سرٹیفکٹ کے نصاب کی تعلیم کا انتظام ہے۔ چونکہ یونیورسٹی تین سال کا ڈگری کورس شروع کرنا چاہتی ہے اور انٹرمیڈیٹ کے امتحان ختم کرنا چاہتی ہے۔ اسلئے وہ امیدوار جنھوں نے ہائی اسکول امتحان پاس کیا ہے۔ پری یونیورسٹی کورس میں داخل کئے جائیں گے جو ایک سال کی مدت کا ہوگا۔ اس سال انٹرمیڈیٹ کے سال اول میں کوئی داخلہ نہ ہوگا۔ ایسے امیدوار جنھوں نے انٹرمیڈیٹ کا امتحان پاس کیا ہے وہ دو سال کے ڈگری کورس کے پہلے سال میں داخل کئے جائیں گے

یونیورسٹی نے اس سال سے (STATISTICS) کے ڈپلومے کا انتظام کیا ہے جو ایک سال کا ہوگا، جو دوسرے یونیورسٹی کورسوں کے ساتھ شامل کیا جا سکتا ہے اور ان کے لئے کارآمد ہو سکتا ہے جو کمیونٹی ڈیولپمنٹ اور نیشنل اکسٹنشن سروس پروجکٹ میں پروگرام اسسٹنٹ کے طور پر کام کرنا چاہتے ہیں۔

جغرافیہ، ریاضی، سائیکالوجی کے ایم اے پریویس اور ایم ایس سی پریویس میں نشستیں محدود ہیں اور ان درجوں میں داخلے کے لئے فارم رجسٹرار کے دفتر میں ۱۲ جولائی تک پہنچ جانے چاہئیں۔

بی ایڈ اور ایم ایڈ میں داخلے کے لئے درخواستیں براہ راست ڈیپارٹمنٹ آف ایجوکیشن، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کو اس طرح پہنچ جانا چاہئیں کہ پہلی جولائی ۵۸ء تک پہنچ جائیں اور پراسپکٹس اور داخلے کے فارم مسرز فرینڈز بک ہاؤس سول لائن علی گڑھ کے پاس سے دو روپیہ کے منی آرڈر بھیجنے پر مل سکتے ہیں۔

چند اسٹوڈنٹ شپ اور اسکالرشپ، فیس میں رعایت اور تخفیف شدہ فیس وغیرہ اور پست اقوام اور مسلمانوں کے پس ماندہ طبقوں میں مستحق طالب علموں کو اسکالرشپ مل سکتے ہیں۔

داخلے فارم اور وضاحتی پمفلٹ رجسٹرار کے دفتر سے مفت طلب کئے جا سکتے ہیں۔ لیکن یونیورسٹی پراسپکٹس رجسٹرار کے دفتر سے ایک روپیہ بچاس نئے پیسے کا منی آرڈر بھیجنے پر مل سکتا ہے۔

رجسٹرار علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

علی گڑھ ہسٹری آف اردو لٹریچر

ہماری زبان کی سالانہ قیمت ۳ روپے ہے۔ وی پی سے ۱۰ آنے اور منی آرڈر سے ۱۳ آنے خرچ آتا ہے۔

کتابیں ملیں

تبصرے کے لئے ہر کتاب کے دو نسخے آنا ضروری ہیں۔

نگہت گل:۔ مصنف علیم اختر

ناشر: حالی پبلشنگ ہاؤس۔ دہلی

حجم ۲۰×۳۰/۸ کاغذ عمدہ صفحات ۲۲۴

قیمت تین روپے

میاں داد خاں سیاح اور ان کا کلام

مرتبہ:۔ ڈاکٹر سید ظہیر الدین مدنی

ناشر: ادارہ ادبیات اردو۔ حیدرآباد۔ دکن

حجم ۲۰×۳۰/۱۶ کاغذ اچھا۔ صفحات ۹۲۔

قیمت دو روپے

پرانے رسائل اور کتب کی ڈائرکٹری

ناشر:۔ نظامی بک ایجنسی۔ بدایوں

حجم ۲۰×۳۰/۱۶۔ کاغذ معمولی۔ صفحات ۴۷

قیمت چار آنے

ظہیر پرنٹر پبلشر نے نیشنل پرنٹنگ کمپنی میں چھپوا کر مرکزی انجمن [illegible] سے شائع کیا

اُردُو کانفرنس کی تجویزیں

انجمن ترقی اردو ہند کی اردو کانفرنس منعقدہ ۳۔۴ جولائی ۷۵ء میں جو تجویزیں پیش اور منظور ہوئیں وہ حسب ذیل ہیں۔

تجویز نمبر ۱:-

انجمن ترقی اردو ہند کی یہ اردو کانفرنس اعلان کرتی ہے کہ اردو کل ہند زبان ہے جس کے بولنے والے ہندوستان کی تمام ریاستوں میں پھیلے ہوئے ہیں اور جو ہر مذہب سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس کل ہند لسانی اقلیت کی بڑی تعداد پنجاب، دہلی، اترپردیش، بہار اور آندھرا میں ہے اور دوسری ریاستوں میں بھی اس کے بولنے والے قابل لحاظ تعداد میں موجود ہیں۔

انجمن یہ مطالبہ کرتی ہے کہ دستور کی دفعہ ۳۴۷ کے تحت اردو کو بھی پنجاب، دہلی، اترپردیش، بہار اور آندھرا میں ایک سرکاری زبان کے طور پر تسلیم کیا جائے۔ نیز یہ انجمن ضروری سمجھتی ہے کہ راجستھان، بمبئی، مدھیہ پردیش، مدراس اور میسور میں بھی ابتدائی تعلیم ثانوی تعلیم اور دفاتر اور عدالتوں میں اردو کے لئے سہولتیں فراہم کی جائیں۔

یہ جلسہ تجویز کرتا ہے کہ ان مقاصد کے حصول کے لئے انجمن کا ایک نمائندہ وفد صدر جمہوریہ سے دوبارہ ملے اور اپنے مطالبات ان کے سامنے رکھے۔

تحریک:- مولانا حفظ الرحمن۔

تائید:- سید احتشام حسین، شہاب الدین دسنوی، محمد مجتبیٰ ادیب، حیات اللہ انصاری، احترام الدین شاغل، سردار بونت سنگھ، آر۔ ڈی۔ بھیا

تجویز نمبر ۲

انجمن ترقی اردو ہند کی یہ اردو کانفرنس اس امر پر تشویش کا اظہار کرتی ہے کہ ابھی تک مرکزی حکومت نے لسانی اقلیتوں کا کمشنر مقرر نہیں کیا حالانکہ پارلیمنٹ میں یہ تجویز منظور ہوئے بہت کافی عرصہ گزر چکا ہے۔

انجمن مرکزی حکومت سے درخواست کرتی ہے کہ بغیر کسی تاخیر کے لسانی اقلیتوں کا کمشنر مقرر کرے تاکہ وہ دورہ کرکے لسانی اقلیتوں کے مسائل کے متعلق صدر جمہوریہ کو رپورٹ پیش کر سکے اور ریاستی حکومتوں کو لسانی اقلیتوں کے لئے مناسب تحفظات کرنے کی طرف توجہ دلا سکے۔

تحریک:- حیات اللہ انصاری

تائید:- مسعود حسن رضوی

تجویز نمبر ۳۔

انجمن ترقی اردو ہند کی یہ اردو کانفرنس انجمن کی تمام شاخوں، اردو کے تمام اداروں، ادیبوں اور شاعروں، صحافیوں اور ناشروں سے درخواست کرتی ہے کہ وہ ۲۵ اگست ۷۵ء کو ایک "یوم اردو" منائیں اور ہندوستان میں اردو کے حقوق کے تحفظ کے متعلق مرکزی انجمن ترقی اردو کی تجویز کی ہوئی قرارداد منظور کرکے صدر جمہوریہ اور ریاستی حکومتوں کو بھیجیں اور یوم اردو کی روداد سے صدر دفتر کو مطلع کریں۔

محرک:- پروفیسر مسعود حسن

مؤید مینا زبیری

صدر اور سکریٹری اردو کا مسودہ تیار کرکے شاخوں کو بھیجیں۔

تجویز نمبر ۴

انجمن ترقی اردو ہند کی یہ اردو کانفرنس اس بات کی ضرورت محسوس کرتی ہے کہ دسمبر میں دہلی میں ایک بڑی اردو کانفرنس بلائی جائے تاکہ اس کے سامنے صدر سے وفد کی ملاقات کا نتیجہ اور اس وقت تک کی جد و جہد کا حاصل پیش کیا جا سکے اور آئندہ کے لئے اقدامات پر غور کیا جا سکے۔

انجمن دہلی کی شاخ سے درخواست کرتی ہے کہ وہ اس کانفرنس کے ابتدائی انتظامات ابھی سے شروع کر دے۔

تحریک:- پروفیسر آل احمد سرور

تائید حمیدہ سلطان

تجویز نمبر ۵

انجمن ترقی اردو ہند کی اردو کانفرنس کا یہ جلسہ اردو کے بارے میں آل انڈیا ریڈیو کی پالیسی کو تشویش کی نظر سے دیکھتا ہے اور یہ محسوس کرتا ہے کہ عام طور پر ریڈیو کے پروگرام میں اور خاص طور پر دہلی، لکھنؤ، الٰہ آباد، پٹنہ اور حیدرآباد، جے پور، جالندھر اسٹیشنوں کے پروگرام میں اردو کا حصہ بہت کم ہے اور اس کی مقبولیت اور اس کے سننے والوں کی تعداد کے مقابلے میں نہایت غیر مناسب ہے۔

یہ جلسہ تجویز کرتا ہے کہ اس سلسلے میں مناسب تفصیلات اور اعداد و شمار جمع کرنے کے بعد انجمن آل انڈیا ریڈیو کے ارباب حل و عقد سے مل کر شکایات کے ازالہ کرنے کی کوشش کرے اور اردو کے پروگرام میں اضافہ کرائے۔

تحریک:- احتشام حسین

تجویز نمبر ۶ - کل راجستھان اردو کنونشن کے مطالبات کی منظوری کے لئے کمیٹی کا تقرر۔

اردو کانفرنس علی گڑھ کا یہ اجلاس طے کرتا ہے کہ کل راجستھان اردو کنونشن منعقدہ جے پور ماہ مارچ ۶۵ء کے منظور کردہ سولہ مطالبات از نمبر ۱ تا ۱۶ حکومت راجستھان سے منظور کرانے کی غرض سے پانچ اصحاب پر مشتمل ایک کمیٹی مقرر ہو جو حدود قانون کے اندر ان مطالبات کو جلد سے جلد حکومت مذکور سے منظور کرا کر ان پر عمل درآمد ہونے تک عمل پیرا رہے۔

تحریک : احترام الدین احمد شاغل

تائید قاضی سراج الدین

کمیٹی : ۱۔ مولانا حفظ الرحمٰن ۲۔ صدر ریاستی شاخ راجستھان ۳۔ سکریٹری ریاستی شاخ راجستھان ۴۔ ڈاکٹر عبدالعلیم ۵۔ سکریٹری انجمن ترقی اردو ہند۔

تجویز نمبر ۷۔

(ا) یہ کانفرنس تجویز کرتی ہے کہ اردو کتابوں کے ناشروں اور تاجروں کی ایک کل ہند انجمن قائم کی جائے اور اس کی شاخیں ہر ریاست کے صدر مقام اور بڑے شہروں میں قائم کی جائیں اور چھوٹے شہروں کے ناشر اور تاجر کسی بڑے شہر کی شاخ میں شامل ہو جائیں

(ب) اس انجمن کا دستور العمل بنانے کے لئے حسب ذیل گیارہ ممبروں کی ایک ایڈہاک کمیٹی بنائی جائے جو جلد سے جلد دستور عمل کا مسودہ مرتب کر کے انجمن ترقی اردو ہند کے پاس بھیج دے

(ج) یہ کانفرنس انجمن ترقی اردو ہند سے درخواست کرتی ہے کہ دستور العمل کو " ہماری زبان " میں شائع کر دے۔ انجمن ناشران اور تاجران کے قیام کے لئے مناسب عملی اقدامات کرے۔

تحریک : حامد علی خاں

تائید : معز الدین احمد

کمیٹی ۱۔ حامد علی خاں ، مکتبہ جامعہ (کنوینر) ۲۔ معز الدین احمد آزاد کتاب گھر دہلی ۳۔ مفتی عتیق الرحمٰن ، مکتبہ برہان دہلی ۴۔ راجہ رام کمار بک ڈپو لکھنؤ ۵۔ نرائن دت سہگل ، دہلی ۶۔ شمس علوی ادارہ فروغ اردو لکھنؤ ۷۔ اقبال بک ڈپو ، پٹنہ ۸۔ حکیم عرفی مکتبہ جاوید الہ آباد

۹۔ ڈاکٹر محی الدین قادری زور ۔ ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد

۱۰۔ سکریٹری انجمن ترقی اردو ہند ، علی گڑھ

تجویز نمبر ۸۔ یہ کانفرنس انجمن ترقی اردو ہند سے خواہش کرتی ہے کہ وہ اردو کتابوں کے چھاپنے والوں ، شائع کرنے والوں فروخت کرنے والوں اور خریدار اداروں کی ایک ڈائرکٹری مرتب کر کے شائع کرے

تحریک : مسعود حسن رضوی

تائید : مرزا محمود اللہ بیگ

تجویز نمبر ۹ یہ کانفرنس اس صورت حال پر اظہار افسوس کرتی ہے کہ مرکزی اور ریاستی حکومتیں دوسری زبانوں کی سرپرستی اور ان کی کتابوں کی سالانہ خریداری کے سلسلے میں مختلف شعبہ جات کے تحت جو رقم صرف کرتی ہیں اس کے مقابلے میں اردو کا تناسب برائے نام ہوتا ہے۔ اس کانفرنس کا مطالبہ ہے کہ مرکز اور ریاستوں کی حکومتیں کتابوں کی خریداری میں اردو کی عوامی مقبولیت اور اس کے پڑھنے والوں کی ضرورت کا پورا لحاظ رکھیں۔

یہ کانفرنس انجمن ترقی اردو ہند اور اس کی مختلف شاخوں سے اپیل کرتی ہے کہ اس سلسلہ میں جلد مناسب اقدام کریں۔

تحریک : قاضی معز الدین

تائید : نسیم قریشی

تجویز نمبر ۱۰۔ حکومت ہند تیسرے پنج سالہ منصوبے میں تعلیم کو عام کرنے کی غرض سے ہر صوبے میں ایک قسم کا تعلیمی جائزہ لے رہی ہے۔ یہ جائزہ ہیڈ اور پرائمری ٹیچروں کے ذریعے لیا جا رہا ہے۔ یہ تعلیمی جائزہ بعض اسباب کی بنا پر لسانی جائزہ بھی بن گیا ہے اور بتایا جاتا ہے کہ اس میں اردو بولنے والوں کی تعداد کو بہت گھٹا کر دکھلایا جا رہا ہے۔ اس کانفرنس کی رائے میں اس صورت میں ہر صوبائی شاخ کو چوکنا رہنا چاہئے۔ اردو بولنے والے عوام کو تیار کرنا چاہئے کہ وہ اس جائزے میں اپنی تعداد کو غلط درج نہ ہونے دیں اور جہاں غلطی ہو وہاں انسپکٹر صاحبان سے مل کر اسے درست کرائیں۔

تحریک - بیگم سلطانہ حیات

تائید : ریاض الدین احمد - پرنسپل حمیدیہ اسلامیہ کالج الہ آباد

تجویز نمبر ۱۱۔

انجمن ترقی اردو ہند کی یہ کانفرنس اس امر پر بے حد تشویش ظاہر کرتی ہے کہ اردو ابتدائی (پرائمری) مدرسوں کے مدرسین کی تربیت کے ادارے مختلف ریاستوں میں یا تو بند کئے جا رہے ہیں یا وہ قطعی ناکافی ثابت ہو رہے ہیں۔

چونکہ ٹرینڈ مدرسین کے بغیر ابتدائی تعلیم ناقص ہوتی ہے اور اس سے بچوں کا تعلیمی نقصان ہوتا ہے اور دوسری طرف حکومت ہند کے پنج سالہ منصوبوں میں ابتدائی تعلیم کے پھیلاؤ پر بہت زیادہ زور دیا جا رہا ہے جس سے بہت سے مدرسین کی ضرورت پیش آئے گی یہ کانفرنس مختلف ریاستی شاخوں کی توجہ اس ضروری مسئلے کی طرف مبذول کراتی ہے اور امید کرتی ہے کہ اس سلسلے میں ضروری اقدامات کریں اور ریاستی حکومت سے مطالبہ کریں کہ ایسے ٹریننگ کالج جلد از جلد قائم کئے جائیں۔

تحریک : صفدر حسین

تائید : شہاب الدین دسنوی

تائید : ہادی نقشبندی

بقیہ خطبہ صدارت

ممکن ہے یہ باتیں آپ کو محض خوش فہمی معلوم ہوتی ہوں مگر اردو ادب کی بڑھتی ہوئی ہر دلعزیزی، فلموں کی زبان کی ہمہ گیری، اردو کی کتابوں کی ہندی رسم خط میں اشاعت اور مقبولیت، اردو غزل کی لطافت اور نشتریت، اس کے ترنم اور اس کی رمزیت کا چرچا کیا، یہ سب باتیں ایک واضح رجحان کا پتہ نہیں دیتیں؟ کیا اردو کے شاعروں پر ہندوستانی زبانوں میں کتابوں کی بڑھتی ہوئی تعداد، کیا غزل کا دوسری زبانوں میں رواج، کیا مشاعروں کی مقبولیت، کیا اردو کے اخباروں اور رسالوں کی وسیع اشاعت کوئی معنی نہیں رکھتی کیا دنیا کی مختلف زبانوں میں اردو کے ادیبوں اور شاعروں کے تراجم کی کوئی اہمیت نہیں ہے کیا مرزا غالب کا سارے ملک میں چرچا قابل ذکر نہیں ہے۔ اور شاید یہ بات بھی آپ کے نزدیک کوئی حقیقت نہیں رکھتی کہ بمبئی کے ایک صاحب نے جو صرف ہندی اور انگریزی جانتے ہیں انجمن ترقی اردو سے اردو اور ہندی میں دیوان غالب کا ایک خاص ایڈیشن نکالنے کے لئے کہا ہے جس کے کثیر مصارف وہ خود برداشت کریں گے۔

آج یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ ہندوستانی ادبیات میں اردو ادب کی منزلت کا احساس ہو رہا ہے افسوس کی بات یہ ہے کہ اس ادب کی بنیاد جس زبان پر ہے وہ ابھی تک ناقدری اور بے انصافی کا شکار ہے۔ ہمیں ان حالات کا ہمت اور استقلال سے مقابلہ کرنا ہے۔

تین سال سے زیادہ ہوئے جب انجمن کا ایک وفد ڈاکٹر ذاکر حسین کی قیادت میں صدر جمہوریہ سے ملا تھا اور ۲۲ لاکھ بالغوں کے دستخط پیش کر کے یہ استدعا کی تھی کہ دستور کی دفعہ ۳۴۷ کے ماتحت اردو کو بھی اتر پردیش کی ایک علاقائی زبان تسلیم کیا جائے اور سرکاری کاموں کے لئے اسے بھی استعمال کیا جائے۔ صدر نے ہمارے مطالبات سے ہمدردی ظاہر کی اور وعدہ فرمایا کہ وہ متعلقہ اصحاب سے مشورے کے بعد اپنا فیصلہ صادر کریں گے۔ مگر آج تک یہ مطالبات زیر غور ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حکومت کی سست رو مشین کو حرکت میں لانے کے لئے ہمارے معروضات کی معقولیت اور ہمارے دلائل کا وزن کافی نہیں ہے۔

اس کے بعد لیڈی انیس امام کی سرکردگی میں بہار کی انجمن ترقی اردو کا ایک وفد ۱۲ لاکھ دستخطوں کے ساتھ ایک یادداشت لیکر صدر سے پٹنہ میں ملا۔ وہاں بھی توجہ ہمدردی لطف و کرم کا اظہار ہوا، لیکن بات جہاں کی تہاں رہی۔

دہلی کے اردو دوستوں نے دہلی میں اردو کو بھی علاقائی زبان تسلیم کرانے کے لئے جدوجہد کی، حکومت نے ایک لسانی کمیشن مقرر کیا جس نے متفقہ طور پر سفارش کی کہ ریاست دہلی میں ہندی کے ساتھ اردو کو بھی علاقائی زبان تسلیم کر لیا جائے۔ وقت کے ہاتھوں۔ دہلی کی ریاست ختم ہو گئی مگر حکومت کے فیصلے کا ہنوز انتظار ہے۔

راجستھان میں وہاں کی ریاستی شاخ نے ابتدائی مدارس میں اردو میں تعلیم، ثانوی اور اعلیٰ تعلیم کے لئے سہولتیں اور دفاتر اور عدالتوں میں اردو کے چلن کے لئے چیف منسٹر وزیر تعلیم اور دوسرے افسروں کا دروازہ بار بار کھٹکھٹایا۔ مگر بقول غالب ہے

یاں لب پہ لاکھ لاکھ سخن اضطراب میں
واں ایک خامشی تری سب کے جواب میں

حکومت نے تو کچھ نہ کیا، ہاں اخباروں میں جو اردو کانفرنسوں میں کچھ لوگوں نے ہمارے معقول اور جائز مطالبات کو کبھی فرقہ واریت اور کبھی علیحدگی پسندی کا نام دیا۔ کچھ نے اردو کے وجود سے انکار کیا۔ کچھ لال بجھکڑ یہ دریافت کرنے لگے کہ اردو کا مخصوص علاقہ کہاں ہے کچھ نے اس کے سرمائے کو بدیسی بتایا کچھ نے اُسے محض ہندی کی ایک شیلی قرار دیا۔ کچھ ارباب سیاست نے یہ کہہ کر ڈرایا کہ اردو کے نام پر فرقہ واریت کو ہوا دی جا رہی ہے۔ حکومت کی خاموشی، تنگ نظر حضرات کے شور و شغب، کبھی بار کی ناکام کوششوں نے ہمارے بہت سے مخلص کارکنوں میں بد دلی پھیلا دی ہے۔ بہت سے لوگ کہتے ہیں کہ آئینی کوششوں سے کچھ نہیں ہوتا اور جب تک ہم میدان میں نہیں آتے اور اپنی زبان کے لئے تن، من، دھن کی بازی نہیں لگاتے، ارباب اقتدار ہمارے مطالبات کو ٹھکراتے رہیں گے۔ یہ لوگ آندھرا، بمبئی اور پنجاب کی مثال دیتے ہیں، جہاں لسانی صوبے قائم کرنے کے لئے عوامی تحریکیں چلائی گئیں۔ بڑے پیمانے پر مظاہرے ہوئے جان و مال کی قربانی ہوئی تب جا کر حکومت کی آنکھیں کھلیں اور اس نے عوام کے جذبات کا لحاظ کیا

لیکن انصاف، دیانت اور سوجھ بوجھ سے کام لیا جائے تو یہ واضح ہو جائے گا کہ موجودہ دور میں حکومتیں زیادہ تر اکثریت کے رجحان کی تابع ہوتی ہیں اور اکثریت میں سب کے سب تنگ نظر، تنگ دل، متعصب اور ہٹ دھرم نہیں ہوتے۔ ناواقف، ناسمجھ یا بے پروا بھی ہوتے ہیں۔ ہم نے ابھی تک انھیں لوگوں تک اپنی بات پہنچائی ہے جو یا تو ہم سے پہلے متفق تھے یا معقول خیالات رکھتے تھے یا جو ہماری زبان سمجھتے تھے۔ ملک میں بہت بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو دوسری زبانیں بولتے اور لکھتے ہیں۔ ہندی والوں میں بھی معقول اور سمجھ دار لوگ ہیں لیکن ہم نے ہندی میں انھیں اپنی بات نہیں سمجھائی انگریزی کا اب بھی ملک میں اثر ہے اور مختلف زبانوں کے لوگ اپنے خیالات اس زبان کے ذریعے سے ایک دوسرے تک پہنچاتے ہیں انگریزی میں ہم نے اپنے مطالبات کی وضاحت اور تشریح ابھی پوری طرح نہیں کی۔ ہندی کے علاوہ ملک میں کئی بڑی زبانوں کا چلن ہے۔ بنگالی، گجراتی، مراہٹی، تامل، تیلگو کے بولنے والوں میں ہندی کے بعض پرستاروں کی انتہا پسندی کی وجہ سے اضطراب ہے۔ ہم پر جو آج گزر رہی ہے ممکن ہے کل ان پر بھی گزرے وہ ہمارے مطالبات کو سمجھ سکتے ہیں اور ہمارے ہم آواز ہو سکتے ہیں۔ ہمیں اپنے مطالبات کو ہندی، انگریزی اور ہندوستان کی بڑی زبانوں میں پیش کرنا ہے اور اس طرح ملک کی رائے عامہ کو بیدار کرنا ہے۔ یہ کام وقت لے گا مگر اس کے اچھے نتائج ضرور نکلیں گے۔

ریاستوں کی نئی تنظیم کے لئے جو کمیٹی بنائی گئی تھی اس نے کچھ سفارشات لسانی اقلیتوں کے لئے بھی کی تھیں۔ ان سفارشات کی روشنی میں کانگریس کی ورکنگ کمیٹی نے بھی کچھ تجاویز منظور کیں، پارلیمنٹ میں بھی بحث ہوئی اور اگرچہ یہ تجاویز تمام تر منظور نہ ہوئیں مگر اتنا ضرور ہوا کہ لسانی اقلیتوں کی زبان میں ابتدائی تعلیم کا دستور میں تحفظ کیا گیا۔ لسانی اقلیتوں کے ایک کمشنر کے تقرر کی سفارش کی گئی اور ثانوی تعلیم میں سہولتیں فراہم کرنے اور ان علاقوں میں جہاں کوئی لسانی اقلیت قابل لحاظ تعداد میں ہے، سرکاری کاموں کے لئے اقلیت کی زبان کو بھی استعمال کرنے کی تجویز منظور ہوئی۔ لسانی کمشنر کا تقرر ابھی نہیں ہوا ہے۔ یہ ہو جائے تو صدر اور پارلیمنٹ کے سامنے ہمارے مطالبات کی سچائی اور روشن ہوگی۔ اور ہم اپنی منزل سے اور قریب ہو جائیں گے۔

خواتین و حضرات!

ممکن ہے آپ سمجھتے ہوں کہ میں آپ کے جوش اور جذبے پر ٹھنڈا پانی ڈال رہا ہوں اور آپ کو بہلا پھسلا کر راست اقدام سے باز رکھنا چاہتا ہوں۔ میں نہایت ادب سے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ایسا نہیں ہے۔ دنیا میں بالعموم کوئی بات یک طرفہ نہیں ہوتی۔ ہر عمل کا ایک رد عمل ہوتا ہے۔ عمل اور رد عمل کی کش مکش اور ایک دوسرے پر اثر سے زندگی آگے بڑھتی ہے۔ نیا ہندوستان اردو کے ساتھ جو سلوک اب تک کر رہا ہے صرف اس سے نئے ہندوستان پر حکم نہ لگایئے۔ اس سلوک کی کچھ ذمہ داری ہم پر بھی عائد ہوتی ہے۔ ہم نے اب تک نئے ہندوستان کے بنانے میں، سماج کو آگے بڑھانے میں، معیار زندگی بلند کرنے میں، قومی دولت کے اضافے میں، کارکردگی اور صلاحیت کو بڑھانے میں۔ قومی تعمیر کے خاکے میں رنگ بھرنے میں کیا حصہ لیا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ ہم پریشان ہیں، ہماری زبان کو پامال کیا جا رہا ہے۔ ہماری تہذیبی کشتی ڈانواڈول ہے۔ ہم پراگندہ روزی، پراگندہ دل ہیں، حکومت کا فرض ہے کہ ہمارے دکھ درد کو پہچانے، ہماری شکایات کو دور کرے، اپنی محبت اور توجہ سے ہماری افسردگی کو جوش عمل میں، ہماری بے دلی کو ولولے اور انہماک میں بدل دے۔ جو حکومت ایسا نہیں کرتی وہ اپنے فرض سے غافل ہے، جو سماج یہ نہیں کرتا وہ مہذب اور متمدن سماج نہیں کہلایا جا سکتا۔ مگر حکومت پر سارا الزام رکھ کر ہم خاموش بیٹھے رہیں۔ اس جمود کو توڑنے کی خود کوشش نہ کریں، حکومت اور سماج پر یہ ثابت نہ کریں کہ ہم اگر سماج کی ترقی میں حصہ لینے کے قابل نہیں رہتے تو یہ پورے سماج کا اور پورے ملک کا نقصان ہے۔ ہم قومی تعمیر کے مقدس کام میں شریک نہ ہوں اور زمین کی سردمہری اور فلک کی گردش کا شکوہ کرتے رہیں تو ہم نہ صرف حکومت اور سماج سے اپنی بات نہ منوا سکیں گے بلکہ ہماری اپنی عملی صلاحیت بھی مجروح ہوگی۔ ہم ہر انتشار پسند اور تخریبی لہر کا شکار ہوتے رہیں گے اور اپنی منزل سے روز بروز دور ہوتے جائیں گے۔ (باقی)